اللہ تعالیٰ کی طرف اضافتِ اعضاء سے کیا مراد ہے

تصنیف : امام ابن حزم ظاہریؒ
ترجمہ : مولانا احمد عبدالحلیم کانپوری

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " الفصل بین الاھواء والملل والنحل " میں اللہ تعالیٰ کی طرف اعضاء بدنیہ کی اضافت کی محاوراتِ عرب کے مطابق جو توضیح فرمائی ہے۔ میں اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اس سے قرآن وحدیث کی تفسیر میں بہت آسانی ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں :

قرآن مجید اور احادیث میں بعض اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف دیکھ کر اس امت میں ایک فرقہ مجسمہ پیدا ہوگیا جو معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے جسم کا قائل ہوگیا۔ مگر اس فرقہ کے پاس سوائے ان آیات و احادیث کے کوئی دلیل نہ تھی جس سے وہ اپنا دعویٰ ثابت کرتا۔ مگر درحقیقت یہ اس کی انتہائی غلط فہمی اور لغتِ عرب سے بے خبری تھی۔ اسلام سے نسبت رکھنے والے فرقوں میں بجز فرقۂ مجسمہ کے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے اعضاء کا قائل نہ تھا۔ اور اس کا رد و جواب علماء امت نے دیدیا تھا، لیکن یہ جواب چونکہ عربی کی ضخیم کتابوں میں ہے۔ اس لئے عربی نہ جاننے والے عوام بلکہ درس نظامیہ تک محدود رہنے والے علماء سے بھی پوشیدہ رہا۔ تجسیم باری تعالیٰ کا صرف اسلام ہی منکر ہے ورنہ دوسرے مذاہب مثلاً یہود و نصاریٰ اور سب سے زیادہ آریہ اور سناتن دھرمی ہندو اسی حماقت کے قائل ہیں اور چونکہ اہل اسلام کے اعتراضات سے انہیں بھی اپنی ان حماقتوں کے سمجھنے کا شعور پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن تقلید و تعصب کی جو زنجیر لعنت گلوگیر ہے وہ انہیں اس سے رہا نہیں ہونے دیتی۔ اس لئے انہوں نے جواباً اہل اسلام پر بھی یہی الزام عائد کیا ہے کہ تمہارے یہاں بھی اعضاء کے باری تعالیٰ کی تصریح موجود ہے۔ مگر یہ محض ان کا وہم ہے۔ چنانچہ ذیل میں آیات و احادیث پیش کر کے ان کے صحیح و ظاہر معنی بتائے جاتے ہیں جو لغت، و محاورۂ عرب کے مطابق ہیں اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ محض رائے و قیاس ہے اور جو منقولات میں ہرگز مقبول نہیں۔

وجہ | قرآن مجید میں ہے۔ "ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔" (یعنی فنائے عالم کے بعد صرف آپکا پروردگار ہی باقی رہے گا جو صاحب عزت و رفعت ہے۔) لفظ "وجہ" عربی میں بہت سے معانی میں مستعمل ہے۔ جن میں سے ایک معنی "چہرہ" بھی ہیں۔ لیکن یہاں تمام دوسرے معانی کو چھوڑ کر صرف چہرہ مراد لینا ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔ عرب کا محاورہ ہے کہ کسی کل کے جزو اشرف کو یا عام کے خاص کو ذکر کرکے اس سے کل یا عام ہی کو مراد لیتے ہیں اس لئے یہاں بھی اور قرآن مجید بھر میں جہاں کہیں بھی "وجہ" کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وہاں وجہ اسی محاورہ و اصل کے مطابق ہے۔ اور وجہ اللہ سے مراد صرف اللہ ہی ہے۔ اسی کے مطابق دوسری جگہ ارشاد ہے: انما نطعمکم لوجہ اللہ۔ الخ (یعنی ہم تو تمہیں محض اللہ ہی کے خوش کرنے کو کھلاتے ہیں اور تم سے اس کا کوئی بدل یا شکرانہ تک نہیں چاہتے اور یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہیں اللہ کے چہرہ کے لئے کھلاتے ہیں۔ اسی طرح اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ بھی ہے۔ یعنی تم (نماز میں) جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ ہے۔ یعنی وہ اپنی طرف متوجہ ہونے والے کو جانتا ہے اور اس کی توجہ کو قبول فرماتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وجہ کی اضافت جب اللہ کی طرف ہوگی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ یہاں غیر اللہ مراد نہیں ہے اللہ ہی مراد ہے۔

ید و یمین | اسی طرح "ید" کے معنی ہاتھ ہیں۔ اور یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً ید اللہ فوق ایدیھم۔ یعنی (حدیبیہ کی بیعت رضوان میں) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ لما خلقت بیدی۔ (یعنی اے ابلیس تو نے اسے سجدہ کیوں نہ کیا) جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ مما عملت ایدینا انعاماً۔ (یعنی ہمارے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مخلوق میں چوپائے بھی ہیں۔) بل یداہ مبسوطتان۔ یعنی بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اور حدیث صحیح میں ہے۔ "عن یمین الرحمٰن" "وکلتا یدیہ یمین" یعنی رحمان کے داہنے ہاتھ ہے۔" اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہاں بھی وجہ کی طرح ید و یمین کا استعمال ہوا ہے، مگر ان دونوں لفظوں سے بھی مراد اللہ ہی ہے۔

عین | اور اسی طرح عین جس کے معنی آنکھ ہیں اس کا استعمال بھی اللہ کے معنی میں ہوا ہے۔ "لتصنع علی عینی" (تاکہ میری آنکھ کے سامنے تمہاری پرورش کی جائے) انک باعیننا۔ (بیشک تم میری آنکھوں کے سامنے ہو) چنانچہ یہاں بھی عین سے مراد اللہ ہی ہے۔ یعنی تاکہ میرے سامنے تمہاری پرورش کی جائے اور بیشک تم میرے سامنے ہو یعنی اللہ کے۔

جَنب | اسی طرح جَنب بمعنی پہلو ہے مگر اس کا استعمال اس آیت میں اسی طرح ہوا ہے — یا حسرتا علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ یعنی قیامت میں کوئی سزا یافتہ یہ کہے گا کہ (ہائے حسرت میں نے

اللہ کے کاموں میں انتہائی کوتاہی کی) یعنی میں نے اس کی عبادت و اطاعت میں کوتاہی کی بجائے اس کے غیر اللہ کی عبادت میں مبتلا ہو گیا۔

یمین | اور حدیث میں جو یمین الرحمٰن اور کلتا یدیہ یمین آیا ہے اس کی نظیر بھی قرآن مجید میں ہے۔ وما ملکت ایمانکم۔ یعنی (تمہارے داہنے ہاتھ جس چیز کے مالک ہوں) ظاہر ہے کہ اس کے معنی صاف یہی ہیں کہ جس کے تم مالک ہو۔ کیونکہ ہاتھ مالک نہیں ہوتے۔ بلکہ لغت عرب میں یمین ایسے مقام پر بولا جاتا ہے۔ جہاں کسی افضل کا حق و حصہ مراد ہوتا ہے۔ شماخ کہتا ہے ؎

اذا ما رایۃ رفعت لمجد تلقاھا عرابۃ بالیمین

یعنی جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند ہوا تو اسے عرب نے داہنے ہاتھ سے لیا۔ یعنی انہوں نے اس جھنڈے کو اعلیٰ درجہ کی سعی و عقیدت کے ساتھ مکمل طور پر لیا۔ اسی طرح جہاں کہیں یمین اللہ کیطرف مضاف ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جسکا ظہور یمین سے ہوا ہے، وہ مکمل و اعلیٰ ہے کیونکہ جو کام داہنے ہاتھ سے ہوتا ہے، وہ بہ نسبت بائیں ہاتھ کے کام کے مکمل ہوتا ہے۔

قدم و رجل | اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ ان جہنم لاتمتلیٔ حتی یضع فیھا قدمہ۔ یعنی جہنم سیر نہ ہو گی تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم نہ رکھ دے۔ اور نیز یہ بھی یہ بھی حدیث میں ہے کہ حتی یضع فیھا رجلہ۔ یعنی جہنم سیر نہ ہو گی تا وقتیکہ وہ اس میں اپنا رجل نہ رکھ دے اور رجل کے معنی پاؤں بھی ہیں، اور رجل کے معنی جماعت بھی ہیں۔ اور اس کے وہی معنی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری صحیح حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے خبر دی ہے کہ: ان اللہ تعالیٰ بعد یوم القیامۃ یخلق خلقا یدخلھم الجنۃ والنار لکل واحدۃ منکما ملؤھا۔ قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کریگا۔ (پھر جنت و دوزخ سے فرمائے گا) کہ تم دونوں میں سے ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی بھرنے والی چیز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعد جنت و دوزخ کیلئے کوئی مخلوق پیدا کی جائے گی جو ان دونوں کو بھر دے گی۔ لہٰذا اس حدیث میں قدم کے وہی معنی ہیں جو اس آیت میں ہیں۔ ان لھم قدم صدق عند ربھم۔ یعنی (مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے رب کے یہاں ان کے لئے قدم صدق ہے۔ یعنی ان کا گذشتہ صدق ہے، جسکی انہیں جزا ملے گی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں قدم بمعنی گذشتہ ہے، اور قدم کے یہی معنی حدیث مذکورہ میں بھی ہیں۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت جس سے جہنم بھری جائے گی وہ علم الٰہی میں قدم یعنی متقدم و گذشتہ ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ہونے والی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اور رجل کے معنی یہی ہیں، کیونکہ لغت میں رجل جماعت کو بھی

کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنی (پیدا کی ہوئی) ایک جماعت رکھ دے گا جس سے وہ بھر جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس حدیث میں قدم و رجل کے معنی پاؤں نہیں ہیں بلکہ قدم بمعنی گذشتہ یعنی وہ جماعت جو اللہ کے علم میں پہلے سے گذری ہوئی ہے۔ اور رجل بمعنی جماعت۔

اِصْبَع | اور اسی طرح یہ حدیث صحیح بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان قلب مؤمن بین اصبعین من اصابع اللہ عزوجل۔ بیشک مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تدابیر و نعم میں سے قلب مومن دو تدبیروں اور دو نعمتوں کے درمیان میں ہے کہ یا تو اُسے کفایت و فراغت میسّر ہے جس سے اُسے مسرّت حاصل ہے اور یا اُسے تنگی و مصیبت ہے جس پر اُسے اجر و ثواب ملتا ہے اور چونکہ لغت میں اِصْبَع کے معنی انگلی بھی ہیں اور نعمت بھی۔ اور چونکہ باریک و دقیق امور انگلی سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں بطور استعارہ تدبیر کیلئے اِصْبَع کا لفظ لایا گیا جسطرح یمین بمعنی دستِ راست عظیم الشان امور کی تکمیل کے اظہار کے لئے لایا جاتا ہے اور چونکہ اِصْبَع بمعنی نعمت بھی ہے۔ اس لئے حدیث کا واضح مطلب یہ ہوا کہ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی تدبیر و توفیق کے درمیان میں ہے اور ظاہر ہے کہ توفیق انتہائی نعمت ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو اس عالم ظلمانی میں کوئی خیر ممکن نہیں اور بغیر خیر کے نجات ممکن نہیں۔ اور تدبیر و توفیق ہر دو امور اس کے احکام میں سے ہیں۔

صورت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ان اللہ یبدو للمؤمن یوم القیامۃ فی غیر الصورۃ التی عرفوھا۔ (یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومن کیلئے اُس صورت کے خلاف ظاہر ہوگا جس صورت میں وہ اُسے جانتے ہیں۔) اور یہ بالکل بدیہی و ظاہر ہے کہ قیامت میں خوف و ہول کی وہ صورتِ حال نظر آئے گی جو بالکل اس کے خلاف ہوگی جو دنیا میں خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ اسی حدیث میں یہ جملہ کہ: غیر الصورۃ التی عرفوھا۔ (جو اُس صورت کے خلاف ہوگی جو لوگ پہچانتے تھے) اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ ہمیں بدیہی و ضروری علم ہے کہ ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی کسی صورت کو نہیں جانتے لیکن دنیا میں خوف و دہشت و ہول کے بیشمار طریقوں کا ہر ایک کو علم ہے اور اسی کے مطابق وہ قیامت کے ہول و دہشت کو بھی خیال کرتا ہے۔ لیکن حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے حالاتِ خوف و دہشت بالکل جداگانہ ہوں گے۔ اس لئے اس حدیث میں یقیناً صورت کے یہی معنی ثابت ہو گئے جو بیان کئے گئے اور بعینہٖ یہی کلام اس صحیح حدیث کے متعلق بھی ہے کہ: خلق اللہ آدم علی صورتہ۔ یعنی (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا۔) چنانچہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے صورت کو بطور

اضافت لاکر اپنی طرف مضاف فرمایا ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی مملوکہ صورت پر پیدا کیا۔ اور اس سے وہ صورت مراد نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے پسند فرمائی اور اسی صورت پر انہیں پیدا کیا۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے جس نوع کو جو بھی صورت عطا فرمائی وہ اپنے ہی اختیار و پسند سے عطا فرمائی، لیکن جسطرح انسان کو اس نے اپنی بہت سی مخلوقات پر شرف دیا اسی طرح اس کی صورت کو بھی بہت سی مخلوقات کی صورت پر شرف دیا اور اس کی صورت کو سب کی صورت سے زیادہ پسند فرمایا۔ اور اسی شرف و خصوصیت کی وجہ سے اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جس طرح جو چیز کسی طبقہ میں کوئی فضیلت رکھتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً کعبہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ جتنے بیوت و مکانات ہیں۔ سب ہی اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی مکان یا بیت اللہ نہیں کہا جاتا۔ جس طرح مسجد حرام کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ اور مثلاً جبریل و عیسیٰ علیہما السلام کو روح اللہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام ارواح اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اور وہی سب کا مالک ہے۔ اور اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ (اونٹنی) کو ناقۃ اللہ کہا جاتا ہے حالانکہ جتنی بھی اونٹنیاں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی ہی ہیں۔ بس اسی طرح آدم علیہ السلام کی صورت کو بھی۔ صورۃ اللہ و صورۃ الرحمٰن۔ کہہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ تمام صورتیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملک اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

ساق و کشف ساق | اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ یوم القیامۃ ان اللہ عزوجل یکشف عن ساق فیخرون سجدا۔ (قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب آشکارا کر دیگا، تو لوگ سجدہ میں گر پڑیں گے۔) اگرچہ لغت میں لفظ ساق بمعنی پنڈلی آتا ہے، لیکن کسی معاملہ کی شدت کا اظہار کرنے کے لئے کشف ساق (یعنی پنڈلی کھولنے) سے استعارہ کیا جاتا ہے، کیونکہ انسان جب کوئی کام نہایت جدوجہد سے انجام دینا چاہتا ہے تو اپنے پائنچے چڑھا لیتا ہے جس سے اس کی پنڈلیاں کھل جاتی ہیں۔ زبان عرب میں کمال بلاغت کی وجہ سے اس قسم کے محاورات بکثرت رائج ہیں۔ مثلاً وہ عریض القفا۔ (چوڑی گدی والا) کہہ کر اس سے احمق مراد لیتے ہیں۔ اور کثیر الرماد (بہت سی راکھ والا) کہہ کر اس سے سخی مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ جسکی گدی چوڑی ہوگی۔ اس کا سر بھی اسی حساب سے بڑا ہوگا اور اس میں رطوبات بلغمیہ بھی زیادہ ہوں گی جسکی وجہ سے اس کی عقل کم ہوگی اب اگر کوئی چھوٹے سر والا بھی احمق ہو تو اسے بھی۔ عریض القفا۔ ہی کہیں گے۔ اسی طرح جس کے یہاں راکھ بہت ہوگی آگ بھی بہت ہوگی اور جب آگ بہت ہوئی تو کھانا بھی بہت پکے گا۔ اور جب کھانا پکے گا۔ تو کھانے والے بھی بہت ہوں گے۔ اور جو بہتوں کو کھانا کھلائے گا، وہ سخی ہوگا۔ اس لئے وہ کثیر الرماد۔ (بہت راکھ والا) کہہ کر سخی

مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ کسی سخی کے یہاں ذراسی بھی راکھ نہ ملے۔ اسی طرح کشفِ ساق۔ بھی انتہائی جدوجہد کے ساتھ مکمل کام کرنیکے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ کام کسی ایسے کی طرف منسوب ہو جسکی پنڈلی ہی نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ اسی حدیث بالا کی طرح قرآن مجید میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔ اور معاذ اللہ یہ ہرگز مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ساق یا پنڈلی ہے جسکی قیامت میں زیارت کرائی جائے گی۔ چنانچہ ارشاد ہے: یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود۔ (جس روز پنڈلی کھولدی جائے گی۔) یعنی قیامت کے ہولناک مناظر آشکارا کردئیے جائیں گے اور کارکنانِ قضاء و قدر اپنے فرائض میں نہایت جدوجہد اور تندہی کے ساتھ مشغول ہوں گے۔) اور لوگوں کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی۔ چنانچہ اس آیت میں محشر کی شدت کا اظہار کیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے موقع پر کہتے ہیں۔ شمرت الحرب عن ساقہا۔ (جنگ نے شدت اختیار کرلی) اور اگر اس کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو یہ ہوگا کہ "جنگ نے اپنی پنڈلی سے پائینچہ چڑھالیا۔" مگر یہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ جنگ کوئی انسان نہیں جسکی پنڈلی ہو اور وہ پاجامہ پہنے ہو اور اس کا پائینچہ چڑھائے۔ چنانچہ جریر کہتا ہے ؎

الا رب سامی الطرف من آل مازن اذا شمرت عن ساقہا الحرب شمرا

دیکھو تو آل مازن کے صاحبِ نخوت لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب جنگ اپنی پنڈلی سے پائینچہ چڑھالیتی ہے۔ یعنی شدید ہوتی ہے تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ جنگ کا جسم ہے نہ پنڈلی نہ پاجامہ نہ پائینچہ۔ مگر جب "کشفِ ساق" "شدتِ امر" کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ تو پھر اس میں اس کا لحاظ بھی نہ رہا کہ جسے اس کا فاعل بنایا جا رہا ہے، درحقیقت وہ صاحبِ ساق۔۔ (پنڈلی والا) ہونے کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ اسی طرح لغتِ عرب کے کثیر محاورات ایسے ہیں کہ اگر ان کا لفظی ترجمہ کردیا جائے تو ایک اچھا خاصا فصیح و بلیغ کلام بالکل ہذیان معلوم ہوگا۔ اس لئے جہاں کہیں بھی ظاہری الفاظ کا مطلب عقل یا بداہت کے خلاف ہو، وہاں علم محاورات کی طرف رجوع کرنا واجب ہے ورنہ اس کلام کا مطلب ہی غلط ہو جائے گا۔ (اور اسی خرابی سے بچنے کیلئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کا صحیح مطلب سمجھنے کیلئے شعرائے جاہلیت کا کلام دیکھو) مثلاً عربی میں ایک محاورہ ہے: سقط فی یدہ۔ جس کے الفاظ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ (اس کے ہاتھ میں گرا دیا گیا۔) مگر یہ جملہ کلامِ عرب میں کہیں بھی اس معنی میں مستعمل نہ ملے گا بلکہ اس کے معنی ان کے محاورات میں ہمیشہ یہ ہوتے ہیں کہ (وہ نادم ہوا یا متحیر ہوگیا۔ وغیرہ) چنانچہ یہی محاورہ اسی معنی میں قرآن مجید میں بھی مستعمل ہوا ہے: فلما سقط فی ایدیہم۔ (اور جب بنی اسرائیل نادم ہوئے۔)

اسی طرح اگر یوم یکشف عن ساق سے (جس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔) ساق کی تجلّی مراد ہوتی تو یہاں بمقتضائے بلاغت بجائے ساق، وجہ زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ دیدار و تجلّی تو چہرہ کی ہوتی ہے نہ کہ پنڈلی کی۔ بلکہ کسی کو پنڈلی دکھانا ہمارے یہاں عیب اور خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ اپنے دربار میں شرفِ باریابی کے وقت لوگوں کو پیر یا پنڈلی دکھائے اس لئے یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اعضائے جسمانی کی اضافت محض افہام و محاورۂ عرب کے مطابق کی گئی ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ (اس کے علاوہ اگر یہاں درحقیقت تجلی ساق ہی مراد ہوتی تو "ساق" معرف باللام ہونا چاہیئے یعنی "الساق" اور اس موقع پر اس کا نکرہ لانا قواعد عربیت کے خلاف ہے۔) واللہ اعلم۔